

# میرے مشاہدات و تجربات

## ۱۔ مشاہدات

جناب سید اسعد گیلانی صاحب

یوں تو ہر زندگی مشاہدات سے معمور اور تجربات سے بھرپور ہوتی ہے، لیکن زندگی کا بہت بڑا تجربہ یہ ہے کہ انسان ان مشاہدات و تجربات کو بہت کم یاد رکھتا ہے۔ وہ ایک ہی تجربے سے بار بار دوچار ہوتا رہتا ہے۔ ایک ہی بل سے کئی کئی بار ڈسا جاتا رہتا ہے۔ دجل و فریب اور بے وفائی و طوطا چشمی کے مناظر کا بار بار مشاہدہ کرتا رہتا ہے۔ لیکن پھر انہی سے دھوکا کھاتا اور انہی کے فریب میں آتا رہتا ہے۔ ایسے کم ہی انسان ہوں گے جو فریبِ اعتماد کا شکار نہ ہوئے ہوں اور دامنِ محبت میں پوشیدہ ہوئے نفس کو پہچان کر اس سے بچ نکلتے ہوں۔ شاید مظاہر سے فریب خوردگی انسانی فطرت اور اس دنیا کی زندگی کا طبعی خاصا ہے اور جو اس سے نکلیں انہیں آخر اس دنیا کی مخلوق کیونکر کہا جاسکتا ہے۔

گم گشتہ مشاہدات و فراموش کردہ تجربات کو کھنکالا جائے تو وہ اس قوت اور معنویت کے ساتھ حافظہ کے پردے پر نمودار نہیں ہوتے جن سے واضح اسباق سامنے آسکیں بلکہ ان کا دھندلا پن محض کسی زخم کے نشان کی مانند ہوتا ہے جس میں زبرد ہوتا ہے اور نہ ٹیس، پھر بھی مشاہدات و تجربات کا تذکرہ خود ایک دل غوش کن تجربہ ہو سکتا ہے۔

۱۔ زندگی کے حقائق میں ایک بہت بڑی تلخ حقیقت یہ ہے کہ انسان کو ایک نامکمل دنیا میں بھیجا گیا ہے لیکن ہر انسان اسے مکمل دنیا سمجھ کر اس میں اپنی زندگی کا سفر شروع کرتا ہے۔ اس معمولی سے فرق سے زندگی کے مجموعی طرز عمل اور اس کے نتائج میں بہت بڑا فرق واقع ہوتا ہے۔

یہ دنیا مشاہدات و تجربات کی دنیا ہے۔ یہ مظاہر اور مناظر سے بھر پور دنیا ہے۔ اس کا ہر منظر اور ہر منظر ایک حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے لیکن وہ حقیقتِ عظمیٰ خود انسان میں پوشیدہ رکھی گئی ہے۔ اس کی ساری زندگی کی کامیابی کا مدار اس بات پر ہے کہ وہ دنیا کی یہ پہلی بوجھ سکے کہ کیا یہ سب مظاہر اور مناظر ہی مکمل اور کامل دنیا ہے یا اس کے پیچھے کوئی اور حقیقت بھی پوشیدہ ہے، یہ عمل، سوچ، غور و فکر، فراغت، یکسوئی، امن میں ڈوب جانے اور سراغِ زندگی پانے کا تقاضا کرتا ہے۔ اس کے تحتس ابراہیمی کی ضرورت ہوتی ہے۔

— گو تم نے بادشاہت کیوں چھوڑی تھی؟

— حضرت ابراہیم آگ میں ڈال دیئے جانے پر کیوں راضی ہو گئے؟

— حضرت عیسیٰ نے صلیب پر لٹکائے جانے کو کیوں پسند کر لیا؟

— حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کی گلیوں، طائف کے بازاروں میں

پتھر کھانے اور خندق کے معرکے میں پیٹ پر پتھر باندھ لینے کو کیوں گوارا کر

لیا تھا؟

انہیں کیا مجبوری تھی؟ انہیں کس حقیقت کے عشق نے یہ سب کچھ سہہ جانے پر آمادہ کر

لیا تھا؟ وہ لوگ تو انسانیت کا کھن اور جوہر تھے۔ ضرور کوئی بات تھی..... پتہ چلا کہ

وہ بات یہ تھی کہ حقیقتِ عظمیٰ ہے ان کی براہ راست آشنائی ہوئی اور یہ سب کچھ وہ

اسی حقیقتِ عظمیٰ کے اشارے پر کر گزرے۔ تو وہ حقیقتِ عظمیٰ کیا ہے جس کے لیے

عظیم لوگ عظیم قربانیاں دینے پر آمادہ ہو گئے اور پھر ان قربانیوں نے انہیں اور عظیم تر

بنادیا۔ وہ حقیقت "عرفانِ الہی" ہے۔

ہر انسان کو اس عرفان کی ضرورت ہے لیکن انسان دنیا میں ایسی آنکھیں لے کر آتا ہے جو صرف مظاہر کا مشاہدہ کرتی ہیں۔ اس کے سامنے کائنات کی کتاب کھلی پڑی ہوتی ہے۔ لیکن وہ اس کتاب کو پڑھ نہیں سکتا۔ اس کی آنکھوں پر مختلف قسم کی پٹیاں بندھی ہوتی ہیں۔ وہ پٹیاں اتارنا بڑا مشکل کام ہوتا ہے۔ آباؤی مذہب کی رکاوٹیں، ماحول کے بندھن، معاشرے کے تصورات و رجحانات کا ہاؤ، قیادت و حکومت کا دباؤ۔ بے چارہ انسان جو معاش کی لگام میں بندھا ہوا زندگی کی گاڑی میں جتنا ہوا بہت کم ہی فرصت پاتا ہے کہ ایسے گھبیر اور فکر انگیز موضوعات پر سوچ سکے۔ اس لیے وہ اس نامکمل دنیا کو مکمل دیکھ نہیں سکتا ہے۔ مظاہر حقیقت کو وہ مناظر فطرت سمجھ کر ان سے لطف اندوز تو ہوتا ہے لیکن ان کے ذریعے کسی حقیقت تک پہنچنے کا راستہ تلاش نہیں کر پاتا اور یوں زندگی کے ایام بظاہر سورج کی روشنی میں لیکن فی الحقیقت اُلجھے ہوئے افکار کے اندھیرے میں گزار کر قبر کی تاریکی میں پھل جاتا ہے۔ کبھی اسے تلاش حقیقت کی قوفیق مل جاتی ہے اور کبھی وہ اس سے بے بہرہ ہی عمر گزار دیتا ہے اور پھر قبر کی تاریکی میں پہنچ کر ہی حقیقت کی روشنی اس پر نمودار ہوتی ہے۔

میرے لیے تلاش حقیقت کا یہ مرحلہ بڑا سخت اور دشوار تھا۔ جوانی کے ابتدائی ایام میں برسوں تک صرف قلبی اضطراب میں ہی مبتلا رہا۔ یہ بات سمجھ میں نہ آتی تھی کہ ہماری زندگی اور اس کائنات کا باہمی رشتہ کیا ہے۔ زندہ رہ کر کچھ کارروائیاں کر جانے میں کیا غرض پوشیدہ ہے۔ مگر مٹی ہو جانے کا مفہوم کیا ہے۔ اگر مگر صرف مٹی ہی ہو جانا تھا تو پھر یہ پیدائش کا سلسلہ کیا اور کیوں ہے؟ ہم مسلمان نماز روزہ کرتے ہیں۔ دیگر مذاہب ماننے والے اپنی اغراض کے لیے دوسرے انداز میں خدا کی عبادت کرتے ہیں، تو ہمارے مسلمان پیدا ہو جانے میں ہمارا کیا کمال ہے کہ ہم خدا کی رحمت کے سحق دار ہیں اور دوسرے صرف حادثہ پیدائش کے سبب دوزخ کا ایندھن کیوں بن جائیں گے۔

میں نے ۲۲ سال کی عمر میں اپنے اس اضطراب کو ایک خط کی صورت میں لکھ کر ان بزرگوں کی خدمت میں روانہ کیا جن پر اس عمر میں مجھے سب سے زیادہ اعتماد تھا۔

۱۔ میرے ہونے والے خسر صاحب نے لکھا، ”تم خاندانِ سادات سے تعلق رکھتے ہو، تمہیں اپنی مغفرت پر مکمل یقین ہونا چاہیے۔ نسب کا رشتہ قیمتی ہے اس پر اعتماد پیدا کرو۔“ لیکن مجھے اس جواب نے مطمئن نہ کیا۔

۲۔ بڑے بھائی جان نے لکھا، ”تم دنیویات کا مطالعہ کرو چنانچہ میں نے دنیویات کا گہرا مطالعہ شروع کر دیا۔“

۳۔ والد صاحب نے لکھا، ”جوانی میں مجھے بھی ایسے ہی اضطراب سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ تلاش جاری رکھو۔“ چنانچہ میں نے تلاش جاری رکھی۔

۴۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے لکھا، ”قرآن و سنت میں ہدایت کا راستہ ہے وہیں تلاش کرو۔“ چنانچہ میں نے ان کا مطالعہ شروع کر دیا اور حقیقت یہ ہے کہ حقیقتِ عظمیٰ کا انکشاف مجھ پر قرآن و سنت کے مطالعہ سے ہی ہوا۔

مجھے یہ معلوم ہوا کہ اس کائنات کا پیدا کرنے والا ایک خدا ہے جو اپنی سلطنتِ کائنات میں حاکم مطلق ہے۔ انبیاء کرام اسی کا پیغام لے کر آتے رہے ہیں۔ قرآن اسی کا آخری پیغام ہے۔ ہم اسی کے بندے اور غلام ہیں، ہم اس کی پیدائشی رعایا BORN SUBJECT ہیں۔ سلامتی کا راستہ یہ ہے کہ ہم اسی کے قانون کے تابع ہو کر رہیں۔ اگر تابع ہو کر رہیں گے تو مرنے کے بعد مالک کی عفوِ شہودی کا مقام حاصل ہوگا جو بندگی کا مقام بلند ہے ورنہ اس کی ناراضگی کے مقام کی سزا ملے گی، جو بدترین جگہ ہے۔ بس اس شعور کے بعد کائنات کے ساتھ اپنے رشتے کا مفہوم میری سمجھ میں آ گیا۔ پیدائش، زندگی، اعمال، موت، فنا و بقا کے سارے مسائل خود بخود حل ہو گئے۔ جس کے نتیجے میں مجھ پر زندگی کا عقدہ کھل گیا اور اضطراب رفع ہو گیا۔

۲۔ مشاہدہ حقیقت کے بعد دوسرا تجربہ مجھ پر اس انسان کے ساتھ پیش آیا جو

اس زمین پر آباد ہے اور جو ہم سے ہے اور ہم اس سے ہیں۔  
یہ تجربہ انتہائی شیریں بھی ہے اور انتہائی تلخ بھی۔ بعض انسانوں کے ساتھ مل کر، ان سے معاملات کر کے، ان سے مشورے حاصل کر کے، ان کی صحبت میں بیٹھ کر اور ان کی رفاقت میں چل کر حینت کی سی خوشبو محسوس ہوئی اور یوں لگا کہ اگر یہ لوگ اس سرزمین میں نہ ہوتے تو یہ دنیا کتنی بھیا تک ہوتی۔ اور بعض انسانوں کی ملاقات سے ایسی تلخ یادیں وابستہ ہو گئیں کہ دنیا کا اعتبار ہی اٹھ گیا اور بار بار جی چاہا کہ کسی جنگل کے کھوہ یا کسی پہاڑ کی غار میں جا کر آباد ہو جانا اس سے بہتر ہے کہ انسان ایسے لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور ملنے جلنے پر مجبور ہو۔ انسانی تجربات میں سب سے انوکھا تجربہ خود انسان ہے۔ جس کے ہزاروں رنگ روپ اور ہزاروں مزے ہیں۔ اتنی متنوع مخلوق اور کوئی نہیں ہے۔ یہ انسان احساسِ مرگت کے تحت دوسرے انسانوں کی خاطر جان پر کھیل جاتا ہے اور یہ انسان ہوسِ اقتدار کی خاطر انسانوں کو قتل کرتا ہے۔ بھائیوں کو ہتھیوں کے پاؤں تلے روندواتا ہے۔ اور ماؤں کی گودوں میں شیر خوار بچوں کو ذبح کر دیتا ہے۔ یہ انسان اپنے ملک و قوم کی خاطر دشمنوں کے سامنے سینہ سپر ہوتا اور ہوائی جہازوں سے عین دشمنوں کی صفوں میں چھلانگیں لگاتا ہے اور یہی انسان اپنے مقتدار کے لیے اپنے ہی ملکوں کو توڑتا، اپنی ہی قوموں کو غلامی کرتا اور اپنی ہی قوم کو ذبح کرتا ہے۔ یہ انسان بڑا مہیا ہے۔ اپنے تجربے پر ہمیں برسوں غور کرنا رہا ہوں۔ پھر مطالعہ قرآن و سنت سے ہی یہ عقدہ کھلا کر دراصل یہ دنیا مخلوط آبادی ہے۔ اور اس کمرۂ امتحان میں بیٹھ کر ہر انسان اپنا اپنا پرچہ عمل حل کر رہا ہے۔ یہاں کا امیر اپنی دولت میں شرافت کا، اور یہاں کا غریب اپنی غربت میں وقارِ انسانیت کا امتحان لے رہا ہے۔ یہ شاہ و گدا، یہ حاکم و محکوم، یہ ظالم و مظلوم، درحقیقت مختلف کردار ہیں جو اپنے اپنے منصب و مقام کے پرچے حل کر رہے ہیں۔ ہر روز ہزاروں کے ہاتھ میں امتحان کے پرچے دیئے جاتے ہیں اور ہزاروں سے چھین لیے جاتے ہیں۔ ایک روز آنے کا جب نتیجے کا اعلان ہوگا۔ اس روز امتحان گاہ دنیا کی یہ مخلوط آبادی دو حصوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ کامیاب ہونے والے ایک طرف آباد کر دیئے جائیں گے اور ان میں

ناخدا ترسی اور حق بے وفائی کرنے والا کوئی نہ ہوگا اور دوسری طرف فیل ہونے والے آباد کردیئے جائیں اور ان میں خدا ترسی اور حق سے وفاداری کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔  
میرے اس شعور نے انسانوں کی اتنی تلخ و شیریں اقسام کے بارے میں میرا عقدہ حل کر دیا اور میں نے انسان کو شائستہ کر لیا۔

۳۔ انسان کے بعد میرا مشاہدہ مسلمان کے بارے میں بہت پریشان کن ہے۔ میں نے جو مسلمان کتابوں میں پڑھا، تاریخ اسلام میں دیکھا، صحابہ کرام کے درمیان پایا۔ جنگ بدر، جنگ احد اور معرکہ اُٹے حنین و بیت المقدس میں دیکھا اور جس کے اوصاف قرآن و حدیث میں موجود پاتے وہ مسلمان دوسری قسم کا ہے۔ اور جو مسلمان میں نے اپنے چاروں طرف موجود پایا وہ دوسرا ہے۔ ان دونوں کے درمیان لاقناہی فاصلہ ہے۔ یہ فاصلہ حیرت انگیز بلکہ وحشت انگیز ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمان کے بارے میں میرا مشاہدہ انتہائی لاینحل تضاد پر مشتمل ہے۔ کتاب تاریخ کے مسلمان اور حقیقت نفس الامری کے مسلمان میں صدیوں کا فاصلہ بھی ہے اور منزلوں کا فاصلہ بھی۔ لائبریری کی کتابوں میں جو مسلمان ہے وہ فاتح ہے، متوکل ہے، ایمان دار اور بہادر ہے۔ لیکن پرانی تاریخ اور جدید جغرافیہ کے مسلمان کے تضاد نے مجھے حیرت زدہ کر دیا ہے۔ آخر کتابی مسلمان اور موجودہ مسلمان میں اتنا فاصلہ کیوں ہے؟ یہ فاصلہ کیسے واقع ہو گیا ہے؟ کیا یہ مسلمان اپنی اس مسلمانی کے ساتھ وہ نتائج پیدا کر سکتا ہے جو دور اول کے مسلمان نے اپنی دُور اول کی مسلمانی کے ساتھ پیدا کیے تھے؟ اس سوال کا جواب مسلمان کے سوا ساری دُنیا کو معلوم ہے۔

میں نے جب ولیم ہنٹر کی کتاب "ہمارے ہندوستانی مسلمان" پڑھی جس میں اُس نے ہنگام ہمارے مسلمانوں میں بار بار بغاوت کے اسباب کا تجزیہ کیا ہے کہ آخر وہ کیوں برٹش حکومت سے بار بار بغاوت کر کے سرحد پار مجاہدین کے ساتھ مل کر جہاد کرتے ہیں تو اس کا فرک بیدریافت سامنے آتی ہے کہ مسلمان اپنے عقیدے کی دُور سے غیر ہیں

قوانین کے تحت زندہ رہنے کو غیر اسلامی زندگی سمجھنا ہے اس لیے وہ مسلمان رہنے کے لیے اور اسلامی زندگی بسر کرنے کے لیے جہاد پر مجبور ہے۔ اس کا فرکی اس حقیقت شناسی پر ہیں جبران رہ گیا کہ غیر مسلموں کی نظر میں تو مسلمان غیر اسلامی زندگی پر مجبور کیا جائے تو وہ جہاد کہہ کے اسلامی زندگی بسر کرنے کا سامان کرتا ہے لیکن آج کے مسلمانوں کو تو ایسا کوئی عقیدہ مجبور نہیں کہتا ہے وہ غیر امت کی غلامی کرنے کے لیے ہر عقیدے کی پابندی سے آزاد ہیں۔

۴۔ زندگی میں میرا مشاہدہ اپنے مسلمان معاشرے کے بارے میں بھی افسوسناک لمحیوں پر مشتمل ہے۔ دور اول کا مسلمان معاشرہ تو ایسا تھا کہ اس کے مجرم بھی خود حاضر ہو کر مجرم کا اعتراف کر کے سزا کا مطالبہ کرتے تھے تاکہ انہیں سزا دے کر اضطراب گناہ سے پاک کر دیا جائے اور وہ خدا کے سامنے اس مجرم کے ساتھ حاضر نہ ہوں۔ اس کے تاجر اگر تجارت کی خاطر کبھی دوسرے ملک میں چلے جاتے تو ان کی دیانت، امانت، راست گفتمانی انصاف اور اخلاق کو دیکھ کر غیر مسلم مسلمان ہو جاتے تھے۔ چنانچہ مشرق بعید کے بیشتر ممالک انہی تاجروں کے اخلاق و کردار نے فتح کیے۔ اس کے حکام عوام میں انصاف و عدل کی تقسیم کرنے کے لیے ان کے دروازوں تک پہنچتے تھے۔ ان کے علماء حق کی خاطر شاہی وظیفہ کو ٹھکرا کر کوڑے کھانا لیکن حق کی گواہی دینا پسند کرتے تھے۔ ان کے امراء اپنی دولت مسلمانوں کی خدمت اور اسلام کی اشاعت کے لیے جھولیوں میں لیے پھرتے تھے، لیکن مسلمان معاشرے میں اب یہ جنس نایاب ہے۔

۵۔ میرا مشاہدہ اپنی مسلمان ملت کی ماہیتِ قلب پر بھی حیرت زدہ ہے۔ یہ ملت جب وجود میں آئی تو اس کے اصولی اور نظریاتی احساس کا عالم یہ تھا کہ اس نے معرکہ بدر میں اپنے خون کے رشتوں کو اپنے نظریات کی تلوار سے کاٹا۔ اپنے نظریات کے لیے چند سو کی تعداد میں ہوتے ہوئے ہزاروں اور لاکھوں کے لشکر سے ٹکرایے۔ اصولوں کی خاطر

اپنے آبائی گھروں کو، قیمتی کاروباروں کو اور پیارے وطن کو چھوڑا۔ پیٹ پر پتھر باندھ کر  
 مجھے اپنے نظریات عقائد اور اصولوں کی حفاظت کی اور دنیا میں ایک ایسی نظریاتی مملکت  
 قائم کی جو خدا کی بادشاہت، رسول اکرم کی قیادت، قرآن کی دستوری حکومت، اہل علم  
 کی جمہوری مشاورت، عدل و انصاف اور اخوت و مساوات کی معاشرت پر قائم تھی۔ لیکن  
 حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہ کے ایک تنازع نے اسے ایسا بے حس کیا کہ  
 اس کے سامنے خلافت کا قیمتی ادارہ تباہ ہو گیا تو یہ خاموش رہی۔ حضرت امام حسینؑ کو  
 ذبح کر دیا گیا تو دیکھتی رہی۔ امام مالکؒ کو مدینے کی گلیوں میں رسوا کیا گیا تو اس نے دم نہ مارا۔  
 امام احمد بن حنبلؒ کو ۲۰ سال تک کوڑے پڑتے رہے تو اس کے عوام نے ایک مظاہرہ  
 اور اس کے تاجروں نے ایک ہڑتال تک نہ کی۔ امام ابو حنیفہؒ کا جنازہ عباسیوں کے ظلم و ستم  
 کا شکار ہو کر جیل سے نکلا تو ان کے ماتھے والے لاکھوں کی تعداد میں انہیں قبرستان  
 تک پہنچا کہ چپ چاپ گھروں میں بیٹھ گئے۔ جو ظلم اس مدت پر ہو گیا اس نے سہا جو رسوائی  
 ذلت اسے دی گئی اس نے برداشت کر لی۔ خدا کی پناہ، خیرت و رحمت کے مقابلے میں انہی  
 سنگین برداشت اس میں کہاں سے آئی۔

دنیا کے چور ہے پر ہر احساس سے محروم یہ تکت صدیوں سے بے حس و حرکت پڑی  
 ہے۔ اسے اپنے با اصول نظریاتی وجود کا احساس کب ہو گا؟ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ میرا  
 یہ المناک مشاہدہ مجھے ہر روز رنجیدہ رکھتا ہے۔

۶۔ میرا مشاہدہ اپنے ملک پاکستان کے بارے میں بھی ایسی ہی تلخیوں پر مشتمل ہے۔  
 ہم نے تقسیم ملک سے پہلے جن عزازم کا اظہار کیا اور جو وعدے دنیا بھر کو گواہ کر کے  
 دنیا کے سامنے کیے۔ اپنی جداگانہ قومیت کے اثبات کے لیے اپنے دین اسلام کے  
 حوالے سے جو جو دلائل دیئے اس سے معلوم ہوتا تھا کہ ہم خالص ایک اسلامی نظریاتی مملکت  
 اسلام کے آفاقی اصولوں پر مبنی قائم کرنے جا رہے ہیں۔ پھر جو وعدے ہم نے عوام الناس  
 سے کیے اور ان سے تاریخ کی عظیم الشان قربانیاں طلب کیں وہ بھی ہماری تاریخ کا حصہ



ہیں لیکن جس طرح ہم نے پاکستان میں پہنچ کر اپنے دعووں کو پامال اور اپنے دعووں کو باطل کیا ہے یہ بھی بنی اسرائیل کو چھوڑ کر قوموں کی تاریخ میں وعدہ شکنی کا ایک خصوصی ریکارڈ ہے جس کی بنا پر ہم قوموں کے درمیان عزت کا مقام نہیں پاسکتے۔ چنانچہ آج ہمارا مقام قوموں کی برادری میں عزت کا مقام نہیں ہے۔

۷۔ اپنے ملک میں مذہبی فرقہ بندی کا مشاہدہ بھی میرے لیے شدید ذہنی اذیت کا حامل رہا ہے۔ اپنے بچپن اور جوانی میں جب ہم ایک غیر مسلم قوم کے غلام تھے اس وقت بھی یہ مذہبی فرقہ بندی اس درجہ اشتعال انگیز حد تک بڑھی ہوئی نہیں تھی، جو آج ہے۔ آخر ہماری اس فرقہ بندی پر کفار کے سوا اور کون خوش ہو سکتا ہے۔ جو ملتِ خدا و رسول کی طرف سے تمام اتحاد کی بنیادوں پر ہی استوار کی گئی ہو۔ توحید، رسالت، آخرت، قرآن، حساب کتاب، دوزخ جنت، حلال و حرام، گناہ و ثواب، معروف و منکر، اخوت و دیانت، آخر کس چیز میں اختلاف ہے۔ ساری ہی متفق علیہ بنیادیں ہیں۔ ترجیح و عدم ترجیح اور فضیلت و عدم فضیلت سے انسان کے اسلام میں تو کوئی فرقہ نہیں آتا۔ ایمان بھی ذرا مل نہیں ہوتا۔ اور خدا کے ہاں فقہی مسائل کی باز پرس بھی نہیں ہے۔ پھر ترجیح و فضیلت کے ان علمی مسائل کو عوام الناس کے سامنے پیش کرنا جو علمی سطح پر فیصلے کی کوئی صلاحیت نہیں رکھتے مگر اس ایک غیر علمی روش ہے جو اسلام اور عوام کے ساتھ زیادتی ہے۔ یہ بات اہل علم کو زیب نہیں دیتی۔ علمی راستہ چھوڑ کر عوام کو حکم بنانے کے نتیجے میں امتِ محمدیہ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ہیں۔ کیا حضور اکرم اس صورتِ حال کو پسند فرما سکتے ہیں۔ اگر نہیں تو پھر جب رسول کا تقاضا اتحادِ امت ہے، افتراقِ امت میں نہیں ہے۔ لیکن اتحادِ امت کے دعووں کے ساتھ افتراقِ امت ہی میں ہر روز اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

۸۔ مسلمان کے اندر موجودہ سیاسی جماعتوں کا کردار بھی میرے مشاہدے کا ایک المیہ

ہے۔ باہمی ایک دوسرے کی کردار کشی، الزام تراشی، بہتان بازی جھوٹ اور افتراقی فراوانی کو لوگوں نے سیاست کا نام لے لیا ہے۔ اس درجہ کی گھناؤنی سیاست جو بہتان تراشی کو

مسلم معاشرے میں فروغ دے شاید مغربی معاشرہ میں بھی رائج نہ ہوگی۔ لیکن اگر ان میں رائج ہو بھی تو وہ ہم مسلمانوں کے لیے تو بہرگز واجب الاتباع نہیں ہے۔ اقتدار کی ہوس جسے اسلام نے مکروہ قرار دیا ہے وہ ہمارے ہاں کی سیاسی جماعتوں میں اس درجہ سرایت کر گئی ہے اور ان کا کردار اس درجہ قلت کے لیے افتراق انگیز بن گیا ہے کہ ان میں غیر مسلم قوموں کا آلکاء تک بن جانے کی صلاحیت پیدا ہو گئی ہے۔ یہ صورت حال اس بات کا مطالبہ کرتی ہے کہ ان جماعتوں کو اور سہ فو اسلام کے اجتماعی اصولوں پر منظم کیا جائے۔ اس صورت میں یہ جماعتیں ایک مسلمان معاشرے کی اصلاح میں مددگار ثابت ہو سکتی ہیں۔

۹۔ مسلمانوں کی سیاسی اور اجتماعی زندگی کا ہر سطح پر ایک نہایت درجہ مکروہ پہلو باہمی ایک دوسرے کی ”ٹانگ کھینچنا“ بھی ہے۔ یہ عادت ہماری اسلامی تعلیمات میں بالکل اجنبی ہے لیکن ہماری اجتماعی اور سیاسی زندگی میں بے رحمی کی حد تک معمول بن گئی ہے۔ لوگ اس معاملے میں کسی کو بھی معاف نہیں کرتے۔ ایک کو گرانے اور دوسرے کو آگے بڑھانے کا کھیل بالکل شطرنج کے مہروں کی طرح کھیلا جاتا ہے۔ اس کے سبب کتنے ہی لوگ دل شکستہ ہو کر اجتماعی زندگی میں کوئی قابل ذکر کردار ادا کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ جو لوگ غلط طریقوں سے دھڑے اور گروپ بنا کر اجتماعی زندگی میں چلتے ہیں وہ اس گروپ کے سہارے چلتے رہتے ہیں اور آگے بڑھتے رہتے ہیں، لیکن جو لوگ صرف خلوص، محنت اور جذبہ خدمت ملی کے زور سے چلتے ہیں، کسی نہ کسی مرحلے پر کوئی نہ کوئی ان کی ٹانگ کھینچ کر کونے میں پھینک دیتا ہے اور یہ عمل سیاست کے حوالے سے اتنی بے دردی کے ساتھ ہوتا ہے کہ کردار کشی کے ذریعہ اس کے سارے کیے کرانے پر پانی پھیرنے کی کوشش بھی ساتھ ہی ساتھ کی جاتی ہے تاکہ کوئی اس سے ہمہردی بھی نہ کرنے پائے۔ سیاسی زندگی میں اس ظالمانہ کارروائی کا شکار مخلص لیکن بے سہارا کارکن ہمیں ہر پارٹی میں دکھائی دیں گے۔ یہ عمل بلا مشورہ

ہیں بھی اب زور شور سے جاری ہے۔ یہ ہماری اجتماعی زندگی کا انتہائی بھیانک عمل ہے۔

(باقی)